

مستنصر حسین تارڑ



پیدائش: یکم مارچ ۱۹۳۹ء منڈی بہاؤالدین
تصانیف: اُنڈلس میں اجنبی، بہاؤ، قلعہ جتلی، نکلے تری تلاش میں۔ شہپر

تھر کی نادیدہ کمانچی وہ اولمپک گولڈ میڈل جیت سکتی تھی

حاصلاتِ تعلیم

یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) استخوانی اور تنقیدی گفتگو سن کر سمجھ سکیں۔ (۲) کھیلوں اور معاشرتی مسائل پر اخبار کے مدیر/متعلقہ محکمے کو رپورٹ لکھ کر بھیج سکیں۔ (۳) نثر میں رموز و اوقاف کا درست استعمال کر سکیں۔ (۴) کہانی، انشائیہ یا مضمون وغیرہ لکھ سکیں۔ (۵) کسی سفر کا حال تفصیل سے بیان کر سکیں۔ (۶) ادب پارے کا مرکزی خیال، اہم نکات، نتائج، کردار یا واقعات کی تشریح استخوانی انداز اور ادبی پیرائے میں لکھ سکیں۔ (۷) متعلق فعل کی تفہیم واستعمال کر سکیں اور ان میں امتیاز کر سکیں۔

ہم نے آج بہت دور جانا تھا۔

ہم ننگر پارکر کی جانب سفر کرتے تھے۔

اور پھر دیدہ دل نے حسب وعدہ اپنی پراڈو کا رخ موڑا اور دائیں جانب جو چٹانوں کا ایک عجوبہ سرخ جہاں تھا اس کے اندر کا سفر اختیار کیا۔۔ ہم کارو جھڑ کے چٹانی سلسلے کے اندر سفر کرتے گئے۔۔

عجب چٹانی سلسلہ تھا، صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الورو چٹان کی مانند شاید آسمانوں سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ۔۔ بہ ظاہر خشک اور چٹیل لیکن اس کے اندر خشک اور میٹھے پانیوں کے ذخیرے پوشیدہ تھے۔

اور تب ہم اس کی آخری بلندی پر پھیلی ہوئی ایک ہم دار سطح پر آگئے۔۔ یہاں سے آگے صرف چٹانوں کے انبار تھے۔

آس پاس بے آب و گیاہ چٹانی حصار بلند ہوتے تھے اور تیز ہوائیں۔ سسکیاں بھرتی تھیں۔۔۔

ہم واپس ہونے ہی کو تھے کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچے بھتنوں کی مانند نمودار ہو گئے۔ اُن کے ہاتھوں

میں درانتیاں تھیں اور چہروں پر غربت اور صحرائی دھوپوں کی کالک ملی ہوئی تھی، اُن کی شکلیں جلی ہوئی تھیں۔ ہمارے آس پاس منڈلاتے وہ تھری زبان میں فریادیں کرنے لگے اور دیدہ دل مُترِ جم ہو گیا۔

”ہم ننگر پارکر کے بچے ہیں۔ ہم اس چٹانی سلسلے کی کوکھ میں اُگنے والے درختوں کی ہڈیاں توڑتے ہیں، سُکھ چکی جھاڑیاں جمع کرتے ہیں اور اس ایندھن کو ننگر پارکر کے بازار میں فروخت کرتے ہیں۔“

”کتنے پیسے مل جاتے ہیں؟“

”کبھی دس بیس اور کبھی پورے سو روپے۔“

اُن میں سے ایک بچی جو شاید آٹھ دس برس کی ہوگی، چہرہ دھوپ جلا اور ہونٹ سُکھے ہوئے، بدن پر ماس بہت کم، میلی کھیلی بالکل جھجکتی نہ تھی، بے دھڑک اپنی درانتی لہراتی ہوئی کچھ ہم سے کہتی تھی اور بلندی کی جانب اشارے کرتی تھی۔۔۔ دیدہ دل نے ترجمانی کی کہ ”سائیں یہ لڑکی کہتی ہے کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین چوٹی ہے وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو ٹاپتی کودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں اور جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آسکتی ہوں۔“

یہ جلے ہوئے غربت زدہ چہرے والی لڑکی بہت کانیاں تھی، ہمیں بے وقوف بنا رہی تھی۔۔۔ مجھے کچھ نہ کچھ تو اندازہ تھا کہ ایسی چٹانوں پر اُترنا چڑھنا خالہ جی کا گھر تو نہ تھا، آسان کھیل نہ تھا، اس میں آسانی سے جان جاسکتی ہے۔۔۔ کوہ کارو نچھر کی وہ جو آخری چٹان کی بلندی نظر آتی تھی جہاں ایک پھریرا پھڑپھڑاتا ہے، وہاں تک تو بین الاقوامی شہرت یافتہ کوئی راک کلائمر (ROCK CLIMBER) ہی پہنچ سکتا ہے۔ لیکن تین منٹ میں تو نہیں، کم از کم پندرہ منٹ میں۔۔۔ تو یہ سُکھی سڑی دھوپ جلی لڑکی کہاں وہاں پہنچنے والی تھی اور وہ بھی تین منٹ میں۔۔۔

”کیوں سائیں۔“ دیدہ دل مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”تماشا کرتے ہیں۔ اسے کہو کہ جائے۔“

میں نے گھڑی پر وقت کا تعین کیا۔ وہ دھوپ جلی لڑکی دیدہ دل کا اشارہ پاتے ہی انسان کے رُوپ سے جدا ہو کر ایک بندریا ہو گئی، ننگے پاؤں بھاگتی پہلے وہ راستے سے اتر کر کھائی کے اندر غائب ہو گئی، پھر سیک دم ظاہر ہوئی اور اُچھلتی کودتی چٹانوں پر چڑھتی بڑے پتھروں کو پھلانگتی، کبھی اُن میں اوجھل ہو جاتی اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں سے نمودار ہو جاتی۔۔۔

کامران نہ صرف بالکل فوٹو گرافر تھا بلکہ ایک تجربے کار کوہ نورد بھی تھا، اس نے شدید ہزیمت محسوس کی کہ ایک چھینٹ سی بچی کی یہ جرأت، چٹان چہ اُس نے بھی کمر کس لی اور وہ بھی چٹانوں کے اندر چلا گیا۔ اُس کا بھاری وجود حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ اُس چٹانی بلندی پر چڑھتا گیا۔

ہم دیکھ رہے تھے کہ وہ بندریا اب ہم سے اتنی دُور ہو چکی ہے کہ ایک چھوٹی سی گلہری لگتی تھی جو چٹانوں پر

بُھدک رہی تھی۔۔ تب وہ ایک مرتبہ پھر اوجھل ہوئی اور کچھ لمحوں بعد چٹانوں کی آخری بلندی پر لہراتے پھریرے کے برابر میں کھڑی ہمیں ہاتھ ہلارہی تھی۔ میں نے گھڑی چیک کی تو، پورے تین منٹ۔ اگلے لمحے وہ اُسی طور اُچھلتی کودتی ننگے پاؤں چٹانوں سے اُترتی واپس آ رہی تھی۔ اور تب کامران نے ابھی فاصلہ بھی طے نہ کیا تھا۔

وہ کھائی میں سے برآمد ہوئی اور بھاگتی ہوئی ہمارے پاس پہنچ کر ہمیں داد طلب آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ پورے دو منٹ کل پانچ منٹ۔ اور وہ ہانپ نہیں رہی تھی، اُس کا سانس چڑھا ہوا نہیں تھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟

نادیہ۔

پڑھتی ہو؟

نہیں۔

کیا کرتی ہو؟

لکڑیاں چُننتی ہوں۔۔ درانتی سے خشک جھاڑیاں اور گھاس کاٹتی ہوں، ننگر پارکر کے بازار میں سو روپے ہو جاتے ہیں۔

یہاں جو لوگ آتے ہیں سیر کرنے تو آپ انھیں یہ کرتب دکھاتی ہو۔ پانچ منٹ میں اس جھنڈے کو ہاتھ لگا کر واپس آ جاتی ہو۔

ہاں۔

اور وہ کچھ پیسے انعام کے طور پر دیتے ہیں۔

کبھی نہیں دیتے۔

بہ ہر طور ہم نے اُسے مناسب انعام دیا۔

دوسرے بچے بھی چٹان کی بلندی پر پہنچ کر صرف پانچ منٹ میں واپس آ جاتے ہیں؟

نہیں۔ کوئی نہیں۔ صرف میں۔

یہ بچی مشہور عالم جناسٹ نادیہ کماچی سے کم تو نہ تھی۔۔ اگرچہ یہ بھی نادیہ تھی۔ رومانیہ کی نہ تھی، صحراے تھر کی تھی اور لکڑیاں بیچتی تھی۔

جب وہ ننگے پاؤں ایک آہو کی مانند چٹانوں پر قلا نچیں بھرتی تھی تو مجھے ایتھوپیا کا ننگے پاؤں والا بکیلا یاد آتا تھا۔ وہ روزانہ اولمپک کی طویل ترین دوڑ مراٹھوں سے بھی زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے۔۔ اس کی مناسب ٹریننگ کی گئی اور اسے ایتھوپیا کی جانب سے روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا گیا۔ میں نے روم اولمپک کی وہ مراٹھوں دوڑ ٹیلی وژن پر بہ راہ راست دیکھی تھی۔ سیکڑوں کھلاڑیوں میں سے یک دم ننگے پاؤں دوڑتا بکیلا آگے نکلتا ہے اور وہ ایک مخصوص رفتار سے اور نہایت خوب صورت انداز میں قلا نچیں بھرتا بھاگتا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ سب کھلاڑی بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور جب وہ دوڑ کے اختتام پر اولمپک اسٹیڈیم میں داخل ہوتا ہے اور آخری لائن عبور کر جاتا ہے تو بھی رکتا نہیں۔ بھاگتا ہوا اسٹیڈیم کے چکر لگانے لگتا ہے اور تماشائی حیرت میں ڈوبے ہوئے اپنی نشستوں سے کھڑے ہو کرتالیاں بجاتے چلے جاتے ہیں اور بکیلا بھاگتا چلا جاتا ہے، بہت دیر بعد اُس دوڑ میں شامل ایک اور کھلاڑی ہانپتا کانپتا اسٹیڈیم میں داخل ہوتا ہے۔

وہ جب ایتھوپیا واپس جاتا ہے تو اُس ملک کے پہلے سونے کا اولمپک تمغا جیتنے والے کے استقبال کے لیے پورا ملک اُٹھ آتا ہے۔ اُسے پھولوں سے آراستہ ایک فلوٹ پر بٹھایا جاتا ہے اور اُس کے دونوں جانب ایتھوپیا کے قومی نشان سچ مچ کے دو شیر براجمان ہیں۔۔ شہنشاہ ذاتی طور پر اُس کا استقبال کرتا ہے اور اُسے حفاظتی دستے کا سالار مقرر کر دیا جاتا ہے، انعام و اکرام کی بارش ہوگئی۔۔ بکیلا نے بعد ازاں متعدد اولمپک مراٹھوں دوڑیں ننگے پاؤں بھاگتے ہوئے جیتیں اور پھر وہ اپنی اسپورٹس کار کے حادثے میں زندگی بھر کے لیے اپانچ ہو گیا اور بقیہ حیات ایک وہیل چیئر میں بسر کی۔

مجھے یقین ہے کہ اس لکڑیاں چُھنے والی تھری، دھوپ جلی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو وہ مراٹھوں یا کسی ہرڈل ریس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے اولمپک کا اس نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے اگرچہ یہ خواب خام ہے۔

(ماخوذ از: سفر سندھ کے - اور سندھ بہتا رہا)



سوال نمبر ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (۱) کارونجھر پہاڑی سلسلہ کس جگہ واقع ہے ؟
- (۲) مصنف نے ننگر پارکر کی منظر کشی کس طرح کی ہے ؟
- (۳) تھر کی بچی کس بات کا دعویٰ کر رہی تھی ؟
- (۴) تھر کی نادیہ کماچی کے کردار پر روشنی ڈالیے ؟
- (۵) مصنف نے تھر کی بچی کو کس عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا ؟ اور کیوں ؟

(۶) ایتھوپیا کے کس شخص کا مصنف نے ذکر کیا ہے ؟ اور کیوں ؟

(۷) آپ سندھ کے کسی اور شہر کی روداد سفرنامے کے انداز میں تحریر کیجیے۔

سوال نمبر ۲: اس سبق میں کتنے محاورے استعمال ہوئے ہیں ؟ آپ اُن میں سے کوئی بھی تین اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

سوال نمبر ۳: اس سبق کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۴: اس سبق میں کتنے ملکوں، شہروں اور جگہوں کا ذکر کیا گیا ہے ؟ اور کیوں ؟

سوال نمبر ۵: ذیل کے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

چٹیل	عبور کرنا	کانیاں	عجبہ	بے آب و گیاہ	حسب وعدہ
------	-----------	--------	------	--------------	----------

✽ مرکب مصادر :

ایسے تمام مصادر کو جو دوسری زبانوں کے الفاظ کے آخر میں مصدر کی علامت ”نا“ زیادہ کر کے یا دوسری زبانوں کے الفاظ کے بعد اُردو مصدر لگا کر بنالیے جاتے ہیں مرکب مصادر کہتے ہیں۔

مثالیں : تشریف لانا۔ سیر کرنا۔ گرمانا۔ کفنانا وغیرہ

سوال نمبر ۶: آپ اسی طرح ”مرکب مصادر“ کی چند مثالیں تلاش کیجیے۔



✽ طلبہ مشہور جمناسٹ ”نادیہ کمانچی“ پر ایک نوٹ تحریر کریں گے۔

✽ سفر نامے میں سفر کی روداد بیان کی جاتی ہے۔ سیاح اپنے سفر کے دوران جن مقامات کی سیر کرتا ہے، وہاں جو کچھ دیکھتا ہے اسے سفر نامے میں پیش کر دیتا ہے۔ سفر نامہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرتے ہوئے سچائی کے ساتھ احوال و کوائف قلم بند کرے۔ اس کا اندازِ بیان بھی دلچسپ ہونا چاہیے تاکہ قاری کی دلچسپی برقرار رہے۔



حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اس کی پنڈلی پر بال نہیں

تھے۔
✽ طلبہ کو جمناسٹ ”نادیہ کمانچی“ کے متعلق معلومات فراہم کیجیے۔